© rasailojaraid.com

یادِ رفتگاں

# مولانا مقتدی حسن ازہریؒ

مولانا مقتدی حسن ازہری بھی داغِ مفارقت دے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

مولانا مرحوم کی زیارت اور ملاقات کی شدید خواہش تھی، لیکن پاک و ہند کی غیر انسانی حکومتوں اور ان کی سیاسی آویزشوں نے آنے جانے کی راہ میں جو غیر ضروری رکاوٹیں کھڑی کررکھی ہیں، قربِ مکانی کے باوجود اُنہوں نے مشکلات کے ہمالیے کھڑے کردیئے ہیں جنہیں عبور کرنا اہلِ علم کے لئے کارے دارد ہے۔

اس سے قبل محدثِ ہند مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری، مولانا عبدالوحید آف بنارس، مولانا رئیس احمد ندوی، خطیبِ اسلام مولانا جھنڈانگری رحمہم اللہ اجمعین اور دیگر بہت سے اہل علم کی زیارت کے شرف سے محرومی مسلسل قلق و اضطراب کا باعث ہے۔ قدّر الله ماشاء وما لم یشأ لم یکن!

مولانا ازہریؒ سے ایک موضوع پر تقریباً ربع صدی سے وقتاً فوقتاً خط و کتابت کے ذریعے سے ایک تعلق قائم تھا، اس کا علم ان کے قریبی رفقا کو بھی غالباً ہوگا، وہ ایک علمی امانت بھی ہے اوران کی علمی تڑپ کا مظہر بھی جس کو وہ پورا کرنے کی شدید خواہش اور کوشش کے باوجود اپنے ساتھ ہی لے گئے۔ اس کی وضاحت اس لئے ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اس کام کے کرنے کی واقعی ضرورت و اہمیت ہے، مولانا ازہری کے ذریعے وہ کام اگر نہیں ہوسکا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اب اس کی ضرورت یا افادیت ختم ہوگئی ہے۔

وہ کام ضرور ہونا چاہئے، اس کی افادیت وضرورت مسلمہ ہے اور وہ پاک و ہند کے علما اور مرکزی جماعتوں اور اصحابِ وسائل اداروں کی ذمے داری بھی ہے، بالخصوص فضلاے مدینہ یونیورسٹی کی، جن کی ایک معقول تعداد پاک و ہند میں موجود ہے۔

وہ کام ہے راقم کی کتاب: 'خلافت و ملوکیت کی تاریخی و شرعی حیثیت' کو عربی کا جامہ پہنانے کا، جو مولانا مودودی کی کتاب 'خلافت و ملوکیت' کا مدلل اور علمی و تحقیقی جواب ہے۔

© rasailojaraid.com

مولانا مرحوم نے اپنے پہلے مکتوب میں تحریر فرمایا تھا کہ ''اس کتاب کو عربی میں منتقل کرنے کی شدید ضرورت ہے، میری مصروفیات مجھے اجازت نہیں دیتیں، ورنہ میں خود یہ کام کرتا، آپ اس کے لئے کوشش فرمائیں۔''

راقم نے ان کو جواب میں تحریر کیا کہ ''راقم کی بھی یہ شدید خواہش ہے، بالخصوص جب سے راقم کے علم میں یہ آیا ہے کہ مولانا مودودی کی کتاب کویت سے عربی میں الخلافة والملك کے نام سے شائع ہوگئی ہے تو یہ خواہش شدید تر ہوگئی ہے۔ کیونکہ اس کی ضرورت بھی فزوں تر ہوگئی ہے لیکن پاکستان میں، میں نے کئی فضلاے مدینہ کو بھی اس طرف متوجہ کیا لیکن نتیجہ ؏ اے بسا آرزو کہ خاک شد! کی صورت میں نکلا۔ اس لئے آپ ہندوستان میں فضلاے مدینہ سے یہ کام کرواسکتے ہیں تو اس کے لئے ضرور کوشش فرمائیں۔''

کچھ عرصے بعد مولانا مرحوم نے راقم کو لکھا کہ ''میں نے چند اہلِ علم کو اس کام کے لئے تیار کرلیا ہے اور اس کے اجزا میں نے ان میں تقسیم کردیئے ہیں، وہ تھوڑا تھوڑا حصہ عربی میں منتقل کردیں گے۔'' لیکن اس کے بعد کیا ہوا؟ جن حضرات کے سپرد یہ کام کیا گیا، اُنہوں نے کچھ کیا یا نہیں؟ اس کی تفصیل وہی جانتے تھے یا شاید مولانا صلاح الدین مقبول حفظہ اللہ (کویت) کے علم میں ہو۔ راقم کو مزید تفصیلات کا علم نہیں۔ لیکن سالہا سال کی خاموشی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا ازہریؒ اس منصوبے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ دو سال قبل پھر ان کا مکتوبِ گرامی آیا کہ ''آپ اس کام کے لئے محترم عبدالمالک مجاہد صاحب کو آمادہ کریں۔'' راقم نے ان کا وہ مکتوب محترم مجاہد صاحب کو جب وہ پاکستان تشریف لائے، دکھایا تو اُنہوں نے اس مکتوب پر ہی اپنے دست ِمبارک سے حسبِ ذیل عبارت تحریر کرکے مجھے واپس کردیا کہ

> ''یہ مولانا مقتدیٰ حسن کو بھیج دیں۔ یہ کام آپ ہندوستان میں اپنی زیرنگرانی کروالیں، سارا خرچہ میں برداشت کرلوں گا۔''

یہ مکتوب راقم نے مولانا ازہری کو ارسال کردیا، لیکن پھر ان کا جواب نہیں آیا۔ یہ گویا آخری مکتوب ثابت ہوا۔

اس مختصر تفصیل سے اصل مقصود یہ ہے کہ محولہ کتاب کو عربی میں منتقل کرنے کی واقعی شدید

© rasailojaraid.com

ضرورت ہے، مولانا ازہریؒ خواہش اور کوشش کے باوجود یہ کام نہیں کرسکے، تو دوسرے اہل علم کو جو عربی اور اُردو دونوں زبانوں میں مہارت اور انشا وتحریر کا سلیقہ رکھتے ہیں، اس مسئلے کی اہمیت کو سمجھنا چاہئے یا جو بڑے ادارے ہیں جیسے 'دارالسلام' (الریاض) یا 'جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی' (الکویت) وغیرہ، وہ اہل علم کے ذریعے سے یہ کام کروائیں اور عالم عرب میں اس کتاب کو متعارف کروائیں۔

اس میں صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرت عثمان و معاویہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ وعمرو بن عاص وغیرہمؓ کا دفاع ہے۔ مغربی جمہوریت جس کی زلفِ گرہ گیر کے بڑے بڑے اہل علم اسیرو گرویدہ ہیں، حالانکہ اس نے اسلامی ملکوں سے اسلامی اقدار وروایات کا جنازہ نکال دیا ہے، اس کی حشر سامانیوں کی تفصیل ہے اور اسلامی نظامِ حکومت کی ضروری تفصیل ہے جس کیلئے اس وقت دنیا چشم براہ ہے۔ وفّقنا الله لما يحبّ ويرضى (حافظ صلاح الدین یوسف)

..........................................

## ② ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ ......ایک عظیم مفکر وخطیب!

چند ہفتے قبل دیوبندی مکتبِ فکر کے معروف دارالعلوم جامعہ امدادیہ، ستیانہ روڈ، فیصل آباد میں جامعہ کے رئیس مفتی محمد طیب کی تصنیف 'ترمذی کی شرح' کی تقریبِ رونمائی منعقد ہوئی جس کے مہمانِ خصوصی ڈاکٹر محمود احمد غازی تھے۔ اس پروقار اور علمی تقریب کی صدارت محترم مولانا مجاہد الحسینی فرما رہے تھے۔ سامعین میں جامعہ کے اَساتذہ وطلبہ کے علاوہ شہر کے تاجر، پروفیسرز اور ممتاز علما تشریف فرما تھے۔ موقع کی مناسبت اور موضوع کے اعتبار سے ڈاکٹر صاحب نے امام ترمذیؒ کے سوانح حیات، ان کی تصنیف کی صحاحِ ستہ میں امتیازی خصوصیت اور امام ترمذی کے بلند مرتبت اُستاذ امام بخاریؒ کی ثقاہت وفقاہت اور خدماتِ جلیلہ پر سحر انگیز خطاب فرمایا۔

اہمیتِ حدیث کو انہوں نے نہایت اَحسن اور مفکرانہ انداز سے قریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک واضح فرمایا۔ قرآنِ حکیم کی آیتِ مبارکہ ﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ کی روشنی میں اُنہوں نے وضاحت کی کہ حدیث کے بغیر قرآن فہمی ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اکثر موقعوں پر کاتبانِ وحی کو اپنے فرامین ضبط تحریر میں لانے کا حکم دیا۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ نے نبی مکرم ﷺ کے دمِ واپسیں تک آپ ﷺ